بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ اتفاق

لیجئے، سال کے پانچویں مہینے کا یہ تازہ شمارہ آپ کی تازگیٔ ذوق کے حوالے ہے۔ دیکھئے! کیا اتفاق ہے، یہ ہجری قمری سال کا پانچواں مہینہ ہے اور عیسوی شمسی کیلنڈر کا پانچواں ماہ بھی۔ یعنی مہینے کا شمار ایک ہوگیا، یہ ایکا بھی ایک حسن اتفاق ہے جو ہر صدی کو تین بار دو تین سال تک جتایا جاتا ہے۔ یہ کہیں پانچ کی گنتی کا سہا لگ تو نہیں ہے؟ وہ پانچ تو ایک ہی ہیں (ویسے بارہ اور چودہ بھی ایک ہیں، جیسے سال کے بارہ مہینے 'ایک' کی اکائی میں ملے ہوئے ایک ہی ہوتے ہیں) لیکن اتفاق سے کہیں ایک جگہ مل جائیں تو شاید روح القدس کی نگاہ عصمت و امانت بھی خیرہ ہوجائے۔ تبھی تو کھڑے کھڑے آیت کے مصداق کو بھی پوچھ بیٹھتے ہیں۔ شاید یہ پیدائشی اور وجودی تڑپ تھی کہ پہلی نظر کی محبت Love at first sight کو جی بھر کے دیکھ بھی نہ پائے تھے، وہ تو بس، اس کے اشارے نے معبود کے سجدے میں گرادیا تھا......ان کی منصبی ذمہ داری میں صرف ترسیل ہے، پہونچانا ہے، تاویل و تفسیر تو نہیں۔ نہ ہی سرشت میں ابلیسی اکڑ کی چوں چرا ہے، نہ انسان جیسی للک جو نظریہ کو تجربہ گاہ پہنچادے اور سب کے اوپر 'لاتعلمون' کے تحکمانہ لہجے کے رعب کی داب جو کم از کم انسان شناسی کے میدان میں بڑھنے سے بٹھائے ہوئے ہے۔ اب ذات سرمد کے ارادے کی بھنک ملی تو اتنا تو سمجھ ہی بیٹھے کہ ہو نہ ہو یہ اسی شاہد غیب کے پاک و پاکیزہ کردار عصمت کی طرف اشارہ ہو جس کے غایبانہ نیاز کی تڑپ پلی ہوئی ہے۔ پوچھا، کچھ اسی لئے کہ اپنے محبوب غیب کو ظاہری سلام تو کرسکیں۔ خیر، بات کہاں سے چلی تھی کہاں تک بڑھ گئی لیکن خیر سے دائرہ خیر تک ہی رہی۔ دیکھئے! اس ایکے کا مظاہرہ بھی ایک ہی اتفاق تھا، وہ بھی یمنی چادر میں لپٹا اور 'ضعف بدن' کے سائے میں، مظاہرہ کچھ ایسا دلچسپ بلکہ حق نما اور جاذب حق، مشیت مدار تھا کہ رب پاک کے ارادے کا اعلان کھینچ لیا۔ اس دائرۂ عصمت کا مرکزی نقطہ، اور مرکز تعارف کا ایک تعلق بھی اس مہینے سے ہے۔ کچھ روایتوں کی رو سے اسی مہینے کی درمیانی تاریخوں میں سیدۂ عالمیان کی شہادت بھی ہوئی۔ 'صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا' کی مرثیہ گو کی شہادت وہ انتہائی دردناک حادثہ تھی جس نے اہلبیتؑ کے پاکیزہ سلسلہ پر مظالم کا

دروازہ کھول دیا۔ اس دروازہ توڑ مظالم کا سلسلہ ٹوٹنے میں نہیں آیا، کتنی صدیاں اس کے اثر سے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئیں، خدا ہی سمجھے ایسے جفا طرازوں سے!!

اس پنجۂ پاک کے پاکیزہ سلسلہ سے بلافصل جڑے ہوئے چھٹے نگینۂ عصمت کو بھی اس پانچویں مہینہ کی ۱۵ر تاریخ سے نسبت ہے جب وہ معدن غیب قدس سے ظہور طہور میں آیا۔ اس ذات پاک کی حیات طاہرہ کی ہر ہر سانس عبادتوں کی زینت لکھتی رہی اور دین کی معتبر ترین عملی درس گاہ، کربلا کو تکمیلی حیثیت دینے کے بعد اس کے خطوط بقا سنوارتی رہی۔ آپؑ ہی نے معرکۂ کربلا کو شام کے فیصلہ کن محاذ تک پہنچایا اور اس کے انجام پر ایسی تاریخ ساز فتح حسینی لکھ دی جسے محو کرنا تو در کنار دھندلا نا بھی کسی مورخ یا تاریخ کے کسی صانع یا مصنوع کے بس میں نہ رہا۔ عاشور کے اس بیمار کو جب بعد عصر غش سے افاقہ ہوا، تو نہ پوچھئے کیا دیکھا: لٹتے ہوئے حرم، جلتے ہوئے خیام، ظلم کا دھواں، ستم کا ننگا ناچ، ماں بہنیں ننگے سر، وارثِ تطہیر کے سر چھنی ہوئی چادر کے مرثیے بنے ہوئے، اور اس پر اب تک کے پڑے ہوئے سارے کے سارے عدیم المثال مصائب کی ایک ساتھ اطلاع، پورے دن پر محیط مصیبتیں جو ایک سے ایک بڑی اور بڑھی تھیں، ایک ایک کرکے پڑی تھیں، اس امام مظلوم پر جیسے ایک ساتھ پڑ گئیں، پھر اس پر امام عالی مقام کا سجدۂ شکر میں سر۔ ان بے پناہ مصائب کو قبول کرنے کا یہ نرالا انداز، 'انّا للهِ' کی انوکھا انوٹھا عملی پیکر جسے کوئی انسان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ پھر اونٹ کی ننگی پیٹھ پر سوار، ننگ انسانیت کی چوٹ سے گھائل ماں بہنوں کے قافلۂ صبر وصداقت کی سالاری، اس سالاری کا پہلا پڑاؤ ہی بڑا صبر آزما، شہید باپؑ کا بے دفن وکفن لاشہ، جس کے لباس کا تار تار بھی لوٹا جا چکا، ساتھ میں دوسرے عزیز واقارب اور انصار حسینؑ کے لاشے بھی ویسے ہی بے دفن وکفن۔ اس پر اپنے باپ کا اکیلا وارث جوان بیٹا اور بحیثیت امامِ وقت سارے رونق افروز جناں، تشنۂ قبر وکفن شہداء کا ولی، ہتھکڑی بیڑیوں میں جکڑا کبھی زمین دیکھتا ہوگا، کبھی آسمان! ہائے یہ کیا سماں! یاس وحسرت کا بلا خیز طوفان، ایسے میں سانس کا باقی رہ جانا عبادتِ صبر کا معجزہ یا احساس ذمہ داری کا بخشا وہ عزم وحوصلہ کہ 'ابھی امتحاں اور بھی ہیں'...... یہ نہیں تو کیا۔ آگے اس معرکہ کو سر کرنا، اپنے نام بلکہ حسینؑ کے نام کرنا، پھر اس فتح حسینی اور کربلا کے پیغام حق وصداقت کو جامۂ بقا میں دنیا تک پہنچانا اور باپ کا ماتم کرتے رہنا اسی امام کا کام ہے، اسی نقطۂ کمال صبر وشکر کا کارنامہ ہے۔ یہ ماتم ایک دو گھنٹہ کا نہیں، چند روزہ نہیں، گھر کی چار دیواری تک محدود نہیں، پل پل گریہ، جگہ جگہ رونا، ہر ہر موقع پر آنسو، بلکہ آنسو بہانے کے بہانے پیدا کرتے رہنا ہی تھا، اس عزائے حسینی کو سماج کی نس نس میں پہنچا دیا۔ ساتھ ہی اس زین عبادت وعبودیت نے دعا کو اپنے ابلاغ اور تبلیغ دین کا سب سے کارگر ذریعہ اور 'پیغام بر' بنا دیا۔ پھر پل پل رونے والا یہ 'دعا گو' صابر وشاکر عابد امام کہیں مایوسی کا گوشہ گیر نہیں ہوتا، بلکہ جناب امیرؑ کا یہ دلدار محنت ومشقت کے وہ جوہر دکھاتا ہے کہ دنیا انگشت بدنداں نظر آتی ہے۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ ہم اس کی بارگاہ میں اس وقت خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں جب عالمی سماج

'مے ڈے' (May-Day) یعنی یوم مزدور منا رہی ہے۔ 'یوم مزدور' 'یوم زین العابدین' سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ دنیا کو تو ہزار سال کے بعد کہیں سمجھ آئی کہ محنت کے نام کم از کم ایک دن کر دے، مزدور کے حق کو یہ دھنا سیاست کیا خاک برتے گی۔ لیکن ہم تو محنت کش معصوم ہاتھوں کو چومتے آئے ہیں۔

مزدور کے یا کسی اور کے حق کے بارے میں کیا لیکن اپنے حق کے بارے میں اب ہم ایک حد تک بیدار ہو چکے ہیں پھر بھی ہوشیار نہیں ہوئے ہیں۔ ابھی بھی ہمارے ہندوستان میں مقیم ہندوستانیوں کے کانوں میں 'انتخاب' کا شور گونج ہی رہا ہوگا۔ یہ بھی ایک 'پنج سالہ' حق ہے جو آئین ہند نے جمہوری سمجھ کے جمہوریت کے ناطے دیا ہے۔ یہ اتفاقی حق پانچ سال میں ایک بار ملتا ہے۔ لیکن ہم (یعنی ہمارے ہی منتخب نمائندوں) نے اس کے پانچ کا گلا پہلے ہی گھونٹ دیا ہے، ورنہ اس سال پندرہویں مشق نہ ہو کر ۲۰۰۷ء میں بارہویں ہوتی۔ (اب سوچ لیجئے کتنے بار تین پانچ کر کے یہ بارہویں پندرہویں بنی!) یہ سب آپ کی نمائندگی کا تماشہ ہے جسے آپ دیکھتے رہیے، چاہے چچا غالبؔ کی طرح فقیروں کا یا کوئی اور بھیس بنا کر اس سے قطع نظر کہ یہ سب سے بڑی سیاسی مشق جس کو سب سے بڑا جمہوری تماشہ کہا جاتا ہے، واقعی کتنی جمہوری ہے، یا کتنی سیاسی ہے، آپ کو کم سے کم اتنا تو ہوشیار ہونا چاہئے کہ وقتی نعروں کے شور، عارضی جھوٹے وعدوں کے زور اور چھوٹی موٹی ایشوز (Issues) کے لبھاونے طور کے پیچھے چھپے اصلی چہروں کی پہچان کر سکیں اور اپنے اس حق کو استعمال کرنے میں اس کا لحاظ رکھ سکیں۔ اپنے انتخاب کے ساٹھ سالہ جمہوری شعور کو سٹھیانے نہ دیجئے۔ بڑے ہی سوچ بچار کر اپنا یہ حق استعمال کیا کیجئے۔ (اگر خطا نہ ہو جائے تو) پانچ سال میں صرف ایک بار ہی یہ حق ملتا ہے اور وہ بھی صرف ایک بٹن دبانے تک محدود ہوتا ہے، اس کے بعد پانچ سال تک آپ کا نام بکتا رہتا ہے اور راج ہوتا رہتا ہے۔ اسے حسن اتفاق تو نہیں کہہ سکتے۔ ہاں اتفاق کہہ لیجئے۔ یہ بھی آپ میں اتفاق نہ ہونے کے کارن ہے، ورنہ کیا بات ہے آپ کے 'بادشاہ گر' ہاتھوں کو 'راج گیر' بھی نہیں برتا جاتا، بڑے مزے سے آپ کے حق کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی، آپ کو گلو گیر کر دیا جاتا ہے۔

م۔ر۔عابد